راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

سچ

قیمت سالانہ سعہ
بیرون ہند سے ۷ شلنگ
قیمت ششماہی عہ
فی پرچہ ۱؍

نمبر ۲۵ | (۲۰-ذی الحجہ) سنہ ۱۳۴۴ھ (۲-جولائی) سنہ ۱۹۲۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

چاند کی سالانہ گردش ایک بار پھر اپنا دورہ تمام کرچکی۔ اسلامی جنتری کی آخری تاریخ کا مبارک مہینہ اور مبارک دن گذر چکا، اور "شہادت" کا مبارک مہینہ اور مبارک دن آپہونچا۔ عید قربان کا مہینہ اگر اسلیے تھا، کہ آپ اپنا سب کچھ حق کی راہ میں لٹادیں، تو محرم کا مہینہ یہ پیام لاتا ہے، کہ آپ خود اپنے کو شہادت کے لیے پیش کردیں۔ پچھلا مہینہ "آپ سے" مانگ رہا تھا، اگلا مہینہ "آپ کو" مانگ رہا ہے۔ دنیا کی ایک نہایت زبردست، متمدن و منظم حکومت کی کشتی حیات اسی مہینے کی ۱۰ تاریخ کو دریائے نیل میں غرق ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی مظلوم قوم کو رب موسیٰ و ہارون نے اسی مبارک تاریخ کو آزادی عطا کی، اور اللہ کے کلیم نے اس "یوم آزادی" کی مستقل یادگار روزۂ عاشوراء کی شکل میں قائم کردی۔ دنیا کے سب سے بڑے ہادی، سب سے بڑے معلم، اور سب سے بڑے پرستار توحید ہونیوالے نے اس پاک دن کی پاک یادگار کو یہی نہیں کہ جائز رکھا ہو، بلکہ خود بھی پابندی کے ساتھ روزہ رکھا، اور اپنی امت کو بھی اسکی تاکید فرمائی۔

ہجرت نبوی کے نصف صدی بعد تاریخ نے پھر اپنے تئیں دہرایا۔ اسی مہینہ کی اسی تاریخ کو سرزمین کربلا پر حق و باطل، ملوکیت و جمہوریت، آزادی و ملوکیت کے درمیان ایک بار پھر معرکہ آرائی ہوئی۔ ایک طرف دولت تھی، حکومت تھی، سلطنت تھی، مادی قوت تھی، شاہی خزانہ تھا، شاہی ٹھاٹھ تھی، ہزاروں سپاہیوں کا لشکر جرار تھا، قوت کا نشہ تھا، حکومت قائم کرنے کی دھن تھی، دوسری طرف غربت تھی، مسکنت تھی، فقر و فاقہ تھا، اور ادائے فرض کا احساس تھا، حق پرستی کے جوش سے لبریز ہو چند دل تھے، دلوں کے اندر حق کی لگن تھی، مٹنے اور مٹ کر حق کو کامیاب کردینے والا ولولہ تھا۔ باطل کے آگے [illegible] خاک و خون میں تڑپیں، اور جس خون کا ایک ایک قطرہ ہزاروں عالم کی نظر میں، دونوں جہانوں کے موجودات سے زیادہ قدر و قیمت رکھتا تھا، اس کی ندیاں بہیں! اللہ کے کلیم کی امت نے سب کچھ جھیل کر عاشورۂ محرم کو اپنی آزادی حاصل کی تھی، اللہ کے حبیب کے نواسے نے خود اپنی جان نذر کرکے ابدی زندگی و سرمدی مسرت حاصل کرلی۔

موسیٰ کلیم نے مع اپنی ساری امت کے دشمن سے نجات پاکر عاشورۂ محرم کا استقبال کیا تھا، سرور عالم صلعم روزہ و عبادت کے ساتھ اس تقریب کو مناتے تھے، حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے عزیزوں اور فرزندوں کے ساتھ خود اپنی جان نذر کرکے اس روز سعید کی پیشوائی کی۔ اب ارشاد ہو کہ آپ کس طریقہ پر اس تاریخ کی پیشوائی کے لیے آمادہ ہیں؟ آپ آزادی کی خاطر جلاوطنی کے لیے تیار ہیں؟ آپ طاعت و عبادت، روزہ و ریاضت کے خوگر ہیں؟ آپ فاسق حکومت کے ظلم و جبر کا شکار، اپنے گوشت اور پوست سے کرنے کی ہمت رکھتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ کچھ نہیں، تو یہ محرم کس کا ہے؟ بانس کی تیلیوں پر رنگ برنگ کاغذ منڈھنا، اس کاغذی عمارت پر تیل بتی جلانا، ڈھول تاشہ بجانا، کیا یہی سامان، عاشورۂ محرم کے استقبال و مدارات کا ہے؟ یہ آپ کے دل کا گھڑا ہوا محرم آخر کس کا ہے؟ کیا ابراہیم خلیل کا؟ کیا موسیٰ کلیم کا؟ کیا خاتم النبیین کا؟ کیا ابوبکر و عمر، عثمان و علی کا؟ کیا حسن و حسین، زین العابدین و جعفر صادق کا؟ کیا ابو حنیفہ و شافعی، مالک و احمد کا؟ کیا حسن بصری و جنید، شیخ جیلانی و خواجہ اجمیری کا؟ قرآن و حدیث، فقہ و تصوف، شریعت و طریقت کہیں سے بھی آپ کو اسکی سند جواز ملی ہے؟ مگر

ایڈیٹر - عبد الماجد۔

جرم و بد امنی کا مرکز

"قتل، ہلاکت، لوگوں کو ٹھگ لینے، رشوت، اور بددیانتی کے واقعات شکاگو کی زندگی کے نمایاں خط و خال ہیں، یہ دنیا کا مجرم ترین شہر ہے۔" (مانچسٹر گارڈین)

"۱۹۱۸ء میں شکاگو کی آبادی میں پانچ قتل ہوتے تھے، آج اس کا اوسط دس تک پہنچ گیا ہے، اور اب یہ حال ہے، کہ کوئی دن ناغہ نہیں ہونے پاتا، کہ شہر میں کم از کم ایک واردات قتل کی نہ ہوتی ہو" (ایضاً)

"شہر کی آبادی ۲۷ لاکھ ہے، پچھلے سال اس میں سے [illegible] اشخاص بدمستی کے جرم میں پکڑے گئے...... کسی امریکی اخبار کو اٹھا لیجیے اور سرخیوں پر ایک سرسری نظر ڈالیے، کوئی جرم ایسا نہ ملے گا جس کی پرورش اس شہر میں نہ ہوتی ہو...... موٹروں کی تیز رفتاری سے جو ہلاکتیں ہوتی رہتی ہیں، وہ مثل وبائی موتوں کے پھیلی ہوئی ہیں۔" (ایضاً)

(ڈاکہ، رہزنی وغیرہ مختلف جرائم کے لکھنے کے بعد)

"ان لوگوں کے نزدیک کسی کی جان لے لینا گویا ایسی ہی بات ہے جیسے شکر کا کھانا" (ایضاً)

غریب مشرقی، ایک مغربی جریدہ میں ان حالات کو پڑھ کر دریافت کرتا ہے کہ، یہی شہر شکاگو ہے، جو اس وقت دنیا کے تہذیب کے مشہور مرکزوں میں سے ہے؟ اور جو اس وقت نئی دنیا کی تعلیم، تجارت، دولت، صناعی، سائنس وغیرہ کی ترقیوں کا ایک جیتا جاگتا نمونہ سمجھا جا رہا ہے؟ کیا تہذیب و تمدن کی ترقی اور جرم و بدمستی کی ترقی، ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں؟ کیا "جاہل و نیم وحشی" ہندوستان کو اسی علم و عقل کا سبق دینے کے لیے دانایان فرنگ اپنے کالجوں اور اپنی یونیورسٹیوں میں بلا رہے ہیں؟ م

تہذیب کی بہاریں

برطانوی وزارت کے ایک ممتاز رکن وزیر [illegible] ۲۰۔ جون کو اخبار نویسوں کے جلسہ میں تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، کہ برطانوی لیبر پارٹی کے نامور لیڈر مسٹر [illegible] کی بابت اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہ وہ شخص ہے، جو قانون معاشیات، مشورہ حکومت، مقاصد تجارت، اور قوم کی زندگی میں سے کسی کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا۔ ہم وہ لوگ ہیں، جنھوں نے یورپ کے ہر سرکش کو نیچا دکھا کے چھوڑا ہے، ناممکن ہے کہ اپنے وطن میں ہم ایسوں سے نیچا دیکھ جائیں، یورپ کی بدترین و مفلس ترین آبادی کے ہاتھ گویا بکے ہوئے ہیں"۔ (رائٹر)

برطانوی لیبر پارٹی کے مشہور لیڈر، اور سابق وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ ۲۰۔ جون کو [illegible] سلطنت برطانیہ کی ان زبانوں کے جواب میں تقریر کرتے ہیں، اور اس میں فرماتے ہیں، کہ گورنمنٹ اپنے انتہائی کمینہ اور ذلیل ہونے کا ثبوت دے رہی ہے"۔ (رائٹر)

"زبان" کی شیرینی، شستگی، اور شائستگی تھی، اب عمل کی نرمی، معقولیت، و تہذیب ملاحظہ ہو:-

جنیوا میں، تمام سیاسی انجمنوں سے بڑی سیاسی انجمن، اور ساری پارلیمنٹوں سے بڑی پارلیمنٹ، انجمن اقوام (لیگ آف نیشنز) کی ایک مخصوص کمیٹی کا جلسہ ۱۵۔ جون کو منعقد ہے۔ ہنگری کے وزیر اعظم کاؤنٹ بیتھلن تقریر فرما رہے ہیں۔ عین اس حالت میں جلسہ ہی کے ایک گوشہ سے ایک صاحب بڑھتے ہیں، اور وزیر اعظم کے چہرہ پر زور سے ایک تھپڑ رسید کر کے فرماتے ہیں، کہ "یہ لے، اپنی قوم کی طرف سے انعام لے" نوبت کچھ اس سے بھی بڑھ کر آ جاتی، اگر دوسرے ارکان مجلس درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیتے ہیں۔ گرفتاری کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ حملہ آور کوئی غیر ذمہ دار بدمعاش نہیں، بلکہ ہنگری ہی کی جمہوری (ری پبلکن) پارٹی کے سکرٹری، اور ایک اخبار کے اڈیٹر ہیں! (رائٹر)

یورپ کے بعض حصوں میں ڈویل لڑنے کا طریقہ اب تک جاری ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دو شخصوں میں جب سیاسی، خانگی، کسی قسم کا بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، تو وہ دونوں ایک مقام، وقت و تاریخ مقرر کر کے مقابلہ کے لیے آتے ہیں، اور ایک دوسرے پر مہلک حملہ کرتے ہیں، پھر جس کی بھی جان چلی جائے، قاتل پر کوئی قانونی گرفت نہیں ہوتی۔ پہلے یورپ میں یہ طریقہ عام تھا، اب برطانیہ وغیرہ نے اسے "غیر مہذب" قرار دیا ہے، لیکن بعض "مہذب" ملکوں میں اب بھی یہ دستور جاری ہے۔ پولینڈ کے سابق وزیر اعظم کاؤنٹ اسکرزنسکی اور موجودہ وزیر جنگ جنرل سکورسکی کے درمیان مدت سے چشمک چلی آتی تھی۔ شہر وارسا میں ڈویل مقرر ہوا۔ وقت مقررہ پر حریف پہنچے ہوئے، پہلے جنرل نے فیر کیا، مگر گولی خالی گئی۔ کاؤنٹ نے اپنا پستول زمین پر ڈال دیا، اور جوابی فیر سے انکار کر دیا۔ گر دلوں میں رنجش بدستور رہی۔ آخرکار ۱۷۔ جون کو ایک کلب میں وزیر جنگ نے سابق وزیر اعظم کو اپنی تلوار سے دو ٹکڑے کر دیا! (انڈین ڈیلی میل)

یہ برتاؤ جب "اپنوں" اور "یگانوں" کے ساتھ جائز ہے، تو "غیروں" اور "بیگانوں" کے ساتھ حسن سلوک و شفقت کا کیا درجہ کا ہوگا، اسے بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے، اور ہندوستان میں تو قیاس کی بھی ضرورت نہیں، تجربہ و مشاہدہ کافی ہے۔ تاہم ایک نمونہ اسکا بھی، انھیں کے ایک ادبی جریدہ کی زبان سے سننے کے قابل ہے:-

"ملک شام اور خوبصورت شہر دمشق پر حکومت فرانس کے ہاتھوں جو تباہیاں اب تک آئی ہیں، اُن سے ہر شخص واقف ہے، لیکن فرانس کی خون کی پیاس اب بھی نہیں بجھی، اور ۷ و ۸۔ مئی کو ایک بار پھر دمشق کو فرانس کے ذوق خون آشامی کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ پہلے شہر کو بجلی کی روشنی اور نل کے پانی سے محروم کر دیا گیا۔ تاکہ بھوک اور پیاس کے اس عذاب کے سلسلہ کو چکھنے کے بعد، کلداروں اور بڑی توپوں سے کام لیا گیا، شہر کے دہانے پر کھول دیے گئے، ادھر سے بارود تیزی سے چل رہے تھے، ادھر آسمان سے ہوائی جہازوں کی مدد سے بم گولے نہتے مردوں پر آ آ کر پڑتے تھے۔ آگ کی یہ ہولناک بارش غنیم کے لشکر پر نہیں، شہر کی پرامن آبادی پر، گھنٹوں جاری رہی۔ مسجدیں، دوکانیں، مکانات ہر شے کو آگ کے شعلوں نے گھیر لیا، اور اس کا ملبہ سیکڑوں عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کی جو بھاگنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تھے، قبر بن گیا! اس پر بھی دوسری صبح کو بے گور و کفن لاشیں بدنصیب شہر کی سنسان سڑکوں پر پڑی ہوئی تھیں! (ویسٹ منسٹر گزٹ) م

کٹھن کام

(از عبد الماجد)

"آپ یہ سمجھ لیں یہ خیالات صرف میرے ہی نہیں بلکہ غالباً بہت سے تعلیم یافتہ اور سمجھدار آدمیوں کے ہیں، جو غور و فکر کیا کرتے ہیں۔۔۔۔ آپ اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر سچ کی کسی قریبی اشاعت میں اپنے صحیح خیالات سے اس مضمون پر بخوبی روشنی ڈالیے، خصوصاً اہل سنت کی خاطر۔"

ان تمہیدی الفاظ کے ساتھ، ایک طویل مراسلت، ایڈیٹر سچ کو اودھ کے رہنے والے ایک تعلیم یافتہ بھائی کی جانب سے موصول ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ پوری مراسلت درج کرکے اس پر مفصل بحث کرنے کی گنجائش کسی طرح نکلنی ممکن نہیں، صرف خلاصہ دیکر اس پر مختصر اظہار خیال البتہ ممکن ہے۔ سچ اپنا مسلک ان مسائل کی بابت، اس وضاحت کے ساتھ اتنی بار، ظاہر کر چکا ہے، کہ اب کسی کو اسکی بابت غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔ مراسلہ نگار کی تحریر کا لب لباب، تقریباً انہیں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔ جن مقامات پر جوش بیان میں ذرا تیز الفاظ مضمون نگار سے نکل گئے تھے، وہ حذف کر دیے گئے ہیں:-

"ائمہ مجتہدین کا دنیائے اسلام پر بڑا احسان ہے، وہ اسکے آسمان کے روشن چاند ہیں۔ ہمارے ان واجب التعظیم صحیح پیشواؤں اور سرداروں نے بے نفسی اور بے لوثی کے ساتھ اسلام کی خدمت کی، اور صرف خدا و رسول کے واسطے یہ خدمت انجام دی تھی۔۔۔۔ انکا پاک منشا اور اصلی مقصد صرف یہ تھا کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے، اسی لیے ارشاد فرمایا تھا، کہ جس وقت انکے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے، تو اُسے رد کر دیا جائے۔ پھر ان پر یہ کیا ظلم، اور ان "دینداروں" کی یہ کیسی جرأت ہے، کہ ایک مجتہد کے اقوال کو رسالتمآب کے احکام و اقوال پر ترجیح دیکر انکی تعمیل سے محرومی حاصل کی جاتی ہے!۔۔۔۔ نصاریٰ نے اگر ایک نبی کو خدا سمجھ لیا، تو کیا ہم نے بھی ایک امام کو اپنے عمل کے لحاظ سے نبی کا ہم پلہ نہیں بنا دیا، بلکہ اُن سے بڑھا نہیں دیا؟ ہم کس منہ سے دوسروں کو انسان پرستی پر ملامت کر سکتے ہیں؟۔۔۔۔ ائمہ کرام میں سے ہر ایک کی تحقیق اور ہر ایک کا مسلک صحیح ہونا مسلّم ہے، گویا سید الانام صلعم نے ان سب طریقوں کو برتا ہے، اور اس لیے ان سب ہی کو اختیار کرنا ہماری بڑی خوش نصیبی ہونا چاہیے۔۔۔۔ مگر ہم نے ان مجتہدین عظام کی شاندار خدمت اسلام سے بجائے کامل اتباع رسول کی عزت و نعمت حاصل کرنے کے تفرق و تعصب کا خسارہ اُٹھانا زیادہ پسند کیا۔ ہم کو مسلم کامل بننے کا موقع دیا گیا تھا، مگر ہم نے مالکی اور حنفی بننا زیادہ خوشگوار محسوس کیا!۔۔۔۔

صوفیوں کی طرح راحت و ریاست سے زندگی بسر کرنے والے "حضرت" اپنے مصالح کو ہر موقع پر پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہم کو رسالتمآب کا یہ ارشاد کبھی از خود نہ بتائیں گے، کہ شطرنج اور چوسر کھیلنے والا اپنے ہاتھ سور کے خون میں رنگتا ہے، یا قبور پر زیارت کرنے والیوں اور اُن پر چراغاں کرنیوالوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ یا بزرگان دین کی قبروں کو سجدہ یا سجدہ گاہ بنانا بھی وہاں سجادہ نشین صاحب کا قطعی حرام ہے۔۔۔۔ پیر شریعت تو یہ بھی نہ بتائیگا، کہ اپنی مریدوں سے پیر و ہونا، یا قوالی کی محفل میں انکو دیکھنا اور وجد کی بدحالی میں اُٹھنے بیٹھنا ہونا، جیسا کہ اکثر عرسوں میں رقص ہوتا ہے قطعی فسق و فجور میں داخل اور مستحق صد لعنت ہے۔ البتہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی غلط تفسیر بسبب میں اہل قبور سے استعانت کی جھوٹی حدیث پیش کی جائیگی اور سمجھائی جائیگی، تاکہ انکو اپنا پیر، اور ان کے پیر کو حاجت روا بنا کر خدا کی طرف ایک وسیلہ قائم کیا جائے، حالانکہ اس آیۂ پاک کے سباق میں خود ہی اس وسیلہ کی توضیح موجود ہے، اور ظاہر ہے کہ اسکے تقرب کے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کیا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ "پس تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو" جیسے کہا جاتا ہے کہ "فلاں خدمت انجام دو اور اپنا حق قائم کرو" ظاہر ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

اسوقت ہر زمانے سے بہت زیادہ ضرورت اس کی ہے، کہ تعلیم یافتہ مسلمان جو کتاب و سنت سے واقف ہونے اور اتباع رسول کی سعادت حاصل کرنے کا ذوق رکھتے ہیں، قرآن مجید کی کثرت تلاوت کے ساتھ اسکے ترجمہ پر غور کریں، اور کتب حدیث کا خود مطالعہ کریں، جو اردو میں الحمدللہ اب موجود ہیں۔ ضرورت کے وقت صرف صحیح پیروان سنت علمائے کرام سے فائدہ حاصل کریں، یعنی ان مقدس علمائے حدیث جو پیری کا پیشہ اختیار نہیں کیے ہیں۔ ۔۔۔۔ پس خدا کے لیے، اپنی عاقبت اور اپنی اصلی مسرت و راحت کی خاطر تعلیم یافتہ مسلمان، قرآن مترجم اور احادیث رسول کے مطالعہ کی عادت حاصل کرکے اپنے ناواقف بھائیوں کو بھی فائدہ پہونچائیں، کہ بغیر اسکے اس دور شرک و بدعت میں صحیح اور مکمل اسلام کرنا ناممکن ہے۔"

مذہب کے نام سے جو جو دکانیں، پیشوائیاں اور خانقاہی گدیاں کام کر رہی ہیں، انکے خلاف ساری دنیائے اسلام کی طرح ہندوستان میں بھی رد عمل شروع ہو گیا ہے، اور یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک نئی ذہنیت پیدا ہو گئی ہے، جسکا ایک دلچسپ نمونہ اوپر نظر آ رہا ہے۔ یہ ذہنیت روز بروز پھیلتی جاتی ہے، اور اس امر کے اندازہ کے لیے، کہ اسکا آخری نتیجہ کیا ہوگا، کسی خاص غیب دانی کی ضرورت نہیں۔ تصویر کا جو رخ تحریر بالا میں دکھایا گیا ہے، وہ اپنی جگہ پر بالکل درست اور واجبی ہے، اور اس رخ کی اشاعت سچ کے فرائض میں سے ہے۔ لیکن صورت حال سے جو نتائج نکالے گئے ہیں، اُن میں ذرا زیادہ غور و تامل کی حاجت ہے۔

فقہ کا علم، دراصل، شریعت کا ایک لازمی جزو، ... قرآن کو آخری کتاب اور سرور کائنات کو آخری رسول ماننے کا لازمی نتیجہ ہے۔ زمانہ کی ضرورتیں بڑھتی اور ہر ملک اور ہر قوم کی خصوصیات، مختلف ہو رہی ہیں۔ اللہ کے کلام اور رسول کی زندگی کو ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کی ضروریات پر چسپاں کرنا، اسلام کے قانون کو باوجود قدیم و ناقابل ترمیم ہونے کے، ہر عہد اور ہر وقت تر و تازہ و شاداب رکھنا، دین کی ازلی و ابدی حقیقتوں کو نئے نئے قالبوں اور نئی نئی شکلوں میں آراستہ کرکے پیش کرتے رہنا، یہی فقہ ہے، اور بغیر فقہ کے وجود کے، شریعت اسلامی کے جامع و مکمل ہونے کا دعوی بے ثبوت رہ جاتا ہے۔ یہ کام صرف وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں، جو عبارت قرآن کے ساتھ "معنی" قرآن پر بھی نظر رکھتے ہوں، جو حقائق سنت کے

ساتھ "فہم" سنت کی بھی توفیق رکھتے ہوں، اور جو کلیات سے جزئیات
کے استنباط کی اہلیت رکھتے ہوں۔

اسی طرح کی اہمیت تصوف و طریقت کو بھی حاصل ہے۔ مذہب
اسلام محض "الظاہر" نہیں، "الباطن" بھی ہے۔ دین محض چند اعمال
ظاہری کے مجموعہ کا نام نہیں، ایمان کی بنیاد "قلب کی کیفیت" پر ہے، رسول
کی زندگی "غزوۂ بدر" و "صلح حدیبیہ" پر ختم نہیں ہو جاتی، "غار حرا" اور
"شق صدر" بھی اسی مقدس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ رسول کا کام محض
تلاوت آیات ہی نہ تھا، "تزکیۂ نفوس" بھی تھا۔ ایمان کامل اسی وقت ہوتا
ہے، جب سر کے ساتھ "دل" کو بھی جھکایا جائے۔ آسمان رسالت پر جو تاروں
کی سجا تھی، اس میں دیکھئے خالد، معاویہ، عمرو بن عاص ہی کی چمک نہیں،
بلکہ ابوذر، سلمان فارسی، و بلال بھی جگمگا رہے ہیں۔ یقین محض علم الیقین
کا نام نہیں، "عین الیقین" اور "حق الیقین" بھی اسکے درجے ہیں۔ رسول کے
"اخبار و آثار" کے ساتھ "اسرار و انوار" بھی کوئی چیز ہیں۔ طریقت، شریعت
سے الگ و بیگانہ نہیں، بلکہ شریعت ہی کی سب سے زیادہ خالص اور سب
سے زیادہ پاکیزہ، اور سب سے زیادہ معنوی صورت کا نام ہے، کہ ایمان
کے بعد احسان کا درجہ بھی آتا ہے ؎

شریعت مہ محفل مصطفٰے
طریقت درون دل مصطفٰے

غرض اصولاً فقہ و تصوف، جسم شریعت کے لیے بمنزلہ جان و روح
کے ہیں، اور دنیا میں جب تک قرآن کا وجود باقی ہے، ان دونوں کو بھی
پوری قوت کے ساتھ زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اپنی بدبختی و شامت عمل
کا گلہ کس سے کیا جائے، کہ یہ دونوں جو خدائے تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے
تھیں، آج اپنے نا اہل اہل فن کے ہاتھوں، امت اسلامیہ کے حق میں ایک
عذاب ثابت ہو رہی ہیں! فقہ نام تھا، کتاب و سنت کی تشریح کا
آج اُسے کتاب و سنت کے مقابلہ میں ایک بت کی حیثیت سے پیش کیا
جا رہا ہے! تصوف نام تھا، کتاب و سنت کے چھپے ہوئے حسن و جمال کو
آشکارا کرنے کا، اُسے آج رسم پرستیوں اور بدعتوں کا ایک مجموعہ بنالیا
گیا ہے!

سب سے بڑی دشواری انکے لیے ہے، جو ہر قسم کے فرقہ وارانہ خیالات
سے الگ ہو کر اسلام کو اصلی و سادہ و بے آمیز صورت میں، دیکھنا چاہتے ہیں۔
علم و حقیقت کے اکثر موجودہ گدی نشینوں نے (مستثنیات کا ذکر نہیں) دین
فطرت میں جو فتنہ برپا کر رکھا ہے، اُسکا مقابلہ یقیناً ضروری ہے، لیکن اس
مقابلہ کے لیے انتہائی خلوص، احتیاط، و بے نفسی کی ضرورت ہے، ورنہ
دوسرا فتنہ جو پیدا ہوگا، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ کپڑے کو اتنا ضرور
رگڑنا چاہیے، کہ جو گرد و غبار پڑا ہوا ہے، وہ چھوٹ جائے، لیکن اندیشہ
یہ ہے، کہ دھبے کے ساتھ خود کپڑا ہی کہیں نہ رخصت ہو جائے، جیسا اس وقت
بعض "اسلامی" حلقوں میں ہو رہا ہے۔ موجودہ مذہبی گروہ، کم از کم مذہب کا
نام تو لے رہا ہے، نہ ہو کہ آیندہ یہ نام کا سہارا بھی مٹ جائے! تخریب
آسان ہے، لیکن سچی اصلاح، ہی سب سے بڑا کٹھن کام ہے۔

فقہ و تصوف سے بالکل بے نیاز ہو کر، "صحیح پیرو سنت" یا "عامل حدیث"
کی تلاش میں کامیابی ممکن نہیں۔ جو سچا پیرو سنت ہوگا، لازمی ہے کہ وہ
صحیح معنی میں فقیہ بھی ہو، اور صحیح معنی میں صوفی بھی۔ جنہیں ہر مسلم اپنا پیرو مرشد مانتا ہے،
ابوبکر و عمر، عثمان و علی تھے، جو حقیقی معنی میں مفسر، محدث، فقیہ، صوفی
سب ہی کچھ تھے، لیکن رسمی اور اصطلاحی معنی میں، نہ "اہل فقہ" تھے، نہ
"اہل حدیث"، نہ "اہل قرآن"، نہ "اہل تصوف"۔ وہی نمونہ آج بھی ہمارے لیے
کافی ہے۔ ان اشخاص سے بالکل بے نیاز ہو کر محض کتاب اللہ اور کتب حدیث کو
رہنمائی کے لیے کافی سمجھنے کا مشورہ، عمل میں اس قدر آسان نہیں۔ سنت
رسول الگ رہی، خود کتاب اللہ کا مزاج حد سے زیادہ غیور واقع ہوا ہے،
اسکی نورانیت اسی پر روشن ہوتی ہے، جو اسکا ہو جائے۔ عام دنیوی مشاغل
کی گندگیوں میں لت پت رہنے والوں پر اسکے مطالب و اسرار کا دروازہ بند
ہو جاتا ہے، خواہ مستشرقین فرنگ کی طرح، لغت وغیرہ کی مدد سے اسکے
کھولنے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں۔ اسکی کنجی صرف تقوٰی ہے۔ واتقوا اللہ
ویعلمکم اللہ۔ بغیر طہارت قلب کے کسی کو اس کی معنویت مس تک نہیں
کر سکتی۔ لا یمسہ الا المطہرون۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے، کہ اس
تقوٰے و طہارت کا، اچھی صحبتوں سے الگ ہو کر، کامل اخلاق والوں کی
ہمنشینی سے بیگانہ ہو کر، کہاں تک امکان ہے؟ کونوا مع الصادقین۔
یہیں آکر "وسیلہ" کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ یہ کہنا، کہ آیۂ کریمہ میں
وسیلہ اور تقوٰے، ایک ہی معنی میں ہیں، کچھ زیادہ دلنشین تشریح نہیں۔ جو
لوگ بلاغت قرآنی کے انداز سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں، کہ کلام پاک میں
عموماً جہاں حالتوں اور کیفیتوں کا عطف ایک جگہ آتا ہے، وہاں محض ایک
دوسرے کی توضیح و تاکید مراد نہیں ہوتی، بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت
کی جانب ترقی مراد ہوتی ہے۔ اسکی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ یہاں انکے
بیان کرنے کا موقع نہیں۔ آیۂ مذکورہ کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔ یا ایہا الذین
آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون۔ لغت میں
وسیلہ کے معنی قرب، نزدیکی، اور شوق کے ساتھ کسی چیز تک پہونچنے کے
آتے ہیں[1]۔ چنانچہ اکابر مفسرین نے یہی معنی اختیار کیے ہیں[2]۔ ابن جریر
نے اکابر تابعین، عطاء، سدی، قتادہ، مجاہد، وغیرہم سے جتنی تفسیریں
منقول کی ہیں، سب میں "قربت" کے معنی مشترک ہیں۔ آیت میں مومنوں کو فلاح،
یعنی انتہائی کامیابی کا طریقہ بتایا جاتا ہے، اس راہ میں قدرۃً تین منزلیں
ہیں۔ پہلی یہ کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو، وہ برائیوں سے
بچے، اور خالق و مخلوق کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ جب انسان اس منزل پر
پہونچ لیتا ہے، تو دوسری منزل یہ آتی ہے، کہ اسکے دل میں حسن کامل کی

---

[1] الوسیلۃ، التوصل الی الشیٔ برغبۃ وہی اخص من الوصیلۃ لتضمنہا لمعنی الرغبۃ (راغب) ہی فی الاصل ما یتوصل بہ الی الشیٔ ویتقرب بہ (ابن اثیر جزری)۔ لسان العرب، قاموس، صحاح سب میں ہے، کہ وسیلہ کے معنی رغبت الی اللہ، خدا کا ذوق و شوق رکھنے والے کے ہیں۔ ابن جریر نے اشعار عرب سے بھی سند پیش کی ہے۔

[2] وہ طلب القربۃ الیہ بالعمل بما یرضیہ (ابن جریر) ای ... (ابن کثیر) الوسیلۃ ہی کل ما یتوصل بہ الی المقصود (نیشاپوری) ای ما تتوسلون بہ الی ثوابہ والزلفی منہ (بیضاوی) ای القربۃ (بغوی) اطلبوا الیہ القرب بطاعتہ والعمل بما یرضی (خازن) ای تقربوا الی اللہ بطاعتہ (جلالین) بطلب قرب ... سے او (شاہ ولی اللہ)

دین کا ذوق، جمال مطلق کے وصال کی تڑپ پیدا ہو۔ جب دل میں ذوق و شوق، اور طبیعت میں یہ آرزو و طلب پیدا ہو جائے گی، تو خواہ مخواہ راہ حق میں ہر بڑی سے بڑی مشقت اُٹھانے اور ہر بڑے سے بڑے مجاہدے کے برداشت کرنے کی قوت بھی نفس میں پیدا ہو جائے گی، اور یہی معنی جہاد کے ہیں۔ ان تینوں مراتب کے طے کر لینے کا لازمی نتیجہ فلاح و کامیابی ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ "اے ایمان والو! اللہ سے تقوے اختیار کرو، اُسکی قربت کی طلب و ولولہ پیدا کرو، اور اُسکی راہ میں سخت سے سخت مشقت اُٹھاؤ، تاکہ کامیابی حاصل کرو۔" یہاں پر وسیلہ کا جو مفہوم طلب محبت الٰہی کا لیا گیا ہے، حضرات تابعین میں سے ابن زید نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ قال ابن زید فی قولہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ قال المحبۃ تحببوا الی اللہ (ابن جریر)۔ اب یہ محبت و ذوق، ولولہ و شوق کیونکر پیدا ہو؟ اسکے لیے قرآن پاک کی تلاوت، حدیث نبوی کا مطالعہ، علاوہ اچھی صحبت، یہ سب مفید ہو سکتی ہیں۔ بعض مفسرین نے وسیلہ کے معنی جو "قربت بذریعہ حسن عمل" کیے ہیں، وہ بھی اس مفہوم میں شامل ہیں۔ اچھی صحبت میں بیٹھنا، رہبر کامل کی تلاش کرنا، جنکی روحانیت سرچشمۂ روحانیت سے فیضیاب ہو چکی ہو، اُن سے فیض حاصل کرنا، یہ سب بھی "حسن عمل" میں داخل ہے۔

شخصیت پرستی کا بے شبہ بہت بڑا فتنہ امت اسلامیہ میں پیدا ہو گیا ہے، آج سے نہیں صدیوں سے اسکی پرورش ہوتی آ رہی ہے، اسکا مٹانا یقیناً ہر سچے مسلمان کا فرض ہونا چاہیے۔ لیکن اسلام نے شخصیت کشی کو بھی جائز نہیں رکھا ہے۔ دین فطرت میں اشخاص اور تعلیمات دونوں کی اہمیت برابر درجہ کی رکھی گئی ہے۔ مسلمان کا کام اشخاص سے بھاگنا نہیں، انکے صحیح مرتبہ کو پہچاننا، اور اسپر انھیں رکھنا ہے۔ بشر کے ذریعہ سے ہدایت پانے پر حیرت و انکار کا فریق ظاہر کیا کرتے تھے۔ "ما انتم الا بشر مثلنا"۔ "ابشر یہدوننا"۔ اس قسم کے فقرے منکرین ہی کی زبانوں پر آتے رہتے تھے۔ مسلمان کا کام شخصیت کو بلا بڑھائے یا گھٹائے، بلا شائبہ افراط و تفریط ٹھیک ٹھیک اسکے درجہ پر رکھنا ہے۔ خدائی قانون میں انسان کی ہدایت کیلئے "سنۃ" اور "صحیفہ" دونوں کی اہمیت برابر درجہ کی ہے، بلکہ ترتیباً "طبیب کی شخصیت" "نسخہ" کے وجود پر مقدم ہے۔ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر "لعنت" کا جو ذکر آیا ہے، سو ابتدائے اسلام میں بے شبہ زیارت قبور کی ممانعت تھی، لیکن بعد کو اسکی صریح اجازت احادیث صحیحہ میں ملتی ہے، بلکہ رسول اکرمؐ خود بھی زیارت قبور کے واسطے تشریف لیجاتے تھے، البتہ اسکا مقصد، پچھلوں کے حق میں دعائے مغفرت و رحمت، اور حصول عبرت ہوتا تھا۔ زیارت قبور کے موجودہ طریقے قرون اولیٰ میں کہیں نہیں ملتے۔

اصلی کام ان جزئیات پر بحث مباحثہ میں وقت صرف کرنا نہیں، بلکہ اصلی حیثیت اسلام کی یعنی روح کا ہر فرد کے قلب میں بیدار ہونا ہے۔ جس روز قلب کے اندر اسلام کی روح بیدار ہو گئی، آپس کے جزئی تفرقے خود ہی موقوف ہو کر نظر سے گر جائیں گے اور نور کامل کی شعاعوں کے سامنے ہر ستارہ، ہر کوکب، ہر چراغ کی روشنی ماند پڑ جائیگی۔

ایک مبارک کوشش

یوپی کانگریس کمیٹی کے دفتر سے اس کوشش کے متعلق کاغذات دفتر سچ میں اشاعت کے لیے موصول ہوئے ہیں، جو الہ آباد میں ہندو مسلم اتحاد قائم کرنے کے لیے شروع ہوئی ہے۔ روزانہ اخبارات میں ان مضامین و اشتہارات کی اشاعت ہو چکی ہے۔ الہ آباد، سرکاری حیثیت سے، صوبہ کا صدر مقام ہے۔ اس میں اگر اس آگ کو بجھانے کے لیے، جو سارے صوبہ میں پھیلتی جاتی ہے، اگر پہلا قدم اُٹھایا جائے، تو اسکی کوشش ہر طرح لائق مبارکباد و مستحق تائید ہے۔ الہ آباد میں پہلا اشتہار صلح، جو ڈھائی سو ہندو و مسلمانوں کے دستخط سے شایع ہوا ہے، اس قابل ہے، کہ اسی نمونہ پر ہر شہر اور ہر قصبہ میں اشتہارات شایع ہوں۔ پندرہ پندرہ ہندو و مسلمانوں کی کمیٹی شہر میں انتظام امن کے لیے قائم کر دی گئی ہے، اور غالباً محلہ وار کمیٹیاں بھی اب تک قائم ہو گئی ہوں۔ الہ آباد ملک کے دو مشہور دریاؤں (گنگا اور جمنا) کا سنگم ہے۔ اللہ کے بالکل اختیار میں ہے، کہ یہی شہر کو وہ ملک کی دو بڑی قوموں کے امن و اتحاد کا پہلا سنگم بننے کا بھی شرف عطا کر دے!

"م"

گذارش

سچ کے بعض کرم فرما ایک ہی عنایت نامہ میں ایڈیٹر اور منیجر دونوں کو مخاطب بنا دیتے ہیں، اور ادارتی و کاروباری دونوں شعبوں سے متعلق ایک ہی خط کو کافی تصور فرما لیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے ہفتہ ایک صاحب نے ایڈیٹر کے نام کے ساتھ لکھنؤ کے پتہ پر لفافہ بھیجا، جسکے اندر انکا ایک مضمون تھا، اور ساتھ ہی یہ فرمائش بھی کی کہ پرچہ انکے نام جاری کر دیا جائے۔ خط چونکہ لکھنؤ آیا، یہاں سے لفافہ بجنسہ ایڈیٹر صاحب کے مستقل پتہ پر (دریاباد، ضلع بارہ بنکی) بھیجا گیا۔ وہاں سے انھوں نے واسطے اجرائے اخبار دفتر کو پھر لکھنؤ واپس کیا۔ اسمیں خواہ مخواہ زحمت بھی ہوتی ہے اور فرمائش کی تعمیل میں دیر بھی لگتی ہے۔ اس لیے گذارش ہے، کہ اگر ایڈیٹر صاحب و منیجر کو صرف انھیں کے متعلق صیغہ سے لکھا جائے، تو آپ کو اور ہم کو دونوں کو بڑی سہولت رہے۔

مہتمم

ولایتی اخبارات

کے جس کثرت سے اقتباسات اور حوالے سچ میں ہوتے رہتے ہیں، غالباً آپکو کسی اردو پرچہ میں نہ ملے ہوں۔ یہ اخبارات و رسائل مفت نہیں آتے، اسکے لیے دفتر سچ کو ایک گرانقدر رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔ اگر خریداروں کی تعداد میں آپکی کوشش سے جلد اور معقول اضافہ نہ کیا، تو دفتر آیندہ اس بار کے برداشت کرنے سے معذور رہے گا۔

مہتمم

(بقیہ صفحہ ۱)

حکومت کا اعتراف اور انجام کار

وقت! قبضے سے نکل جاتا ہے، سنت الٰہی کے اتمام کی ساعتیں قریب آ جاتی ہیں، تو نشۂ حکومت بھی اُترتا ہے، اور حق کی راہ نظر آتی ہے۔ اعتراف کی زبان کھلتی ہے لیکن بے سود۔

کمزور قوم ملک کی حکومت کی وارث قرار پاتی ہے، متکبر ہلاک کیے جاتے ہیں، اور ان کی سرکشی آیندہ نسلوں کے لیے ایک افسانۂ عبرت بنکر تاریخ کے صفحات میں رکھی جاتی ہے۔

فانتظروا انی معکم من المنتظرین

(پیام)

آزادی کی تحریک
اور
حکومت کا طرزِ عمل

(از جناب مولانا عبد الرحمن صاحب نگرامی مرحوم)

آج سے چند ماہ بیشتر جب مہاتما گاندھی نے موجودہ نظام حکومت پر بحث کرتے ہوئے متانت و سنجیدگی کے ساتھ گورنمنٹ کے تمام طریقہ ہائے کار کی یہ تصویر "شیطانی حکومت" کے ایک جامع و مانع لفظ میں کھینچی تو لارڈ چیمسفورڈ اور سر ولیم وینسنٹ نے اس لفظ کے ساتھ اپنی بے دلچسپی کا اظہار کیا۔ خوش قسمتی سے اس لفظ کی شیرینی خداداد نفاست کو کچھ اس درجہ بھاگئی کہ ممبران امپیریل کونسل کے کام و دہن سے گذر کر ولایتی اخبارات تک اسکے چٹخارے لینے لگے۔ اپنی کتاب "انڈین ہوم رول" میں مہاتما جی اس تاریخی خطاب کو اسلامی تعلیم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ اُنکی صداقت پرستی اور حق پژوہی کی ایک بین مثال ہے۔ ہندوستان میں تحریک ترک موالات کے شروع ہوتے ہی سخت گیریوں کا جو دور دوران شکل گیا اور حمایت حق و حفاظت آزادی کے تماشہ پر جس طرح یکایک گھبراہٹ، اضطراب اور تشدد کا پردہ پڑ گیا ممکن ہے کہ آج سے یورپ کے حرف سیاست کا ایک نقطہ کہا جائے۔ لیکن یورپ کے بازار تمدن کی ہر چیز سے بعض چیز جس طرح مستعار اور مدد مانگی کی امانت نظر آتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ٹھیک اسی طرح سیاست و فن کی جنس ارزاں بھی اس بازار میں اپنی شاہ زادی وطن نہیں بلکہ عام بازاروں پیشتر گذرنے والی قوموں کی میراث ہے۔ قرآن کریم نے جس تکرار کے ساتھ مصریوں (فرعونیوں) کی پر غرور حکومت اور اسرائیلیوں کی کشمکش آزادی کا تذکرہ کیا ہے اس تکرار کے ساتھ کسی اور قدیم تاریخی واقعہ کو نہیں دہرایا گیا۔ اور آج وہ از یاد رفتہ باتیں اس طرح ظہور میں آرہی ہیں گویا یہ ٹیمس کے ساحل پر قدیم زمانہ کے وادی نیل ہونے کا دعوی ہوتا ہے۔ آزادی کی مقدس تحریک کے شروع ہوتے ہی حکومت کی جانب سے متانت و سنجیدگی اضطراب اور بدحواسی، تشدد اور لطف و محبت، لالچ، دھمکی، انعام و اکرام، جزا و سزا کے متضاد اور مختلف پہلو جو پیش آئے ہیں قرآن مجید نے ان میں سے بہتوں کی طرف اشارے کر دیے ہیں۔ اور اس راہ میں کام کرنے والوں کی تمام دشواریوں سے گذر کر منزل مقصود تک پہونچنے کی صرف ایک راہ بتائی ہے۔ یعنی ثبات و استقلال۔ وتمت کلمت ربک الحسنی علی بنی اسرائیل بما صبروا۔ اسرائیلیوں کے ثبات و استقلال کے باعث ان پر خدا کا بہترین کلمہ (آزادی) تمام ہوا۔

آغاز کار اور حکومت

حکومت کے منجدھار سمندر میں جب پہلی بار حرکت ہوتی ہے تو خداوندان سلطنت اس خطرہ اولی کو اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور پوری متانت کے ساتھ شوریدگان حریت کے دعاوی سنتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے آزادی کی خواہش پر آئینی دلائل مانگے جاتے ہیں۔ اس موقع پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ سلطنت کا غرور دلیل میں اپنے دلائل کی پختگی اور خواہ مخواہ بے ضرری کا یقین بھی دلا دیتا ہے لیکن آزادی کے لیے صرف ایک ہی دلیل اور ایک ہی بنیاد ہے جسکے سامنے منطق کی موشگافیاں اور قانون کی باریکیاں بیکار ہیں۔ دو چار اور بدیہی دلیلوں کے بعد حکومت جواب سے لاچار ہو کر سختیوں پر عمل شروع کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ جب اول بار فرعون کے دربار میں گئے تو آپ نے فرمایا کہ "میں خدا کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں لایا ہوں۔ اب بنی اسرائیل کو آزاد کردو"! فرعون کہتا ہے ان کنت جئت بآیۃ فات بہا ان کنت من الصادقین۔ اگر تم دلیلیں لائے ہو اور سچے ہو تو پیش کرو۔ حضرت موسیٰ اپنے عصا کا معجزہ پیش کرتے ہیں۔ فرعون کی کونسل کہتی ہے ان ھذا لسحر علیم یرید ان یخرجکم من ارضکم۔ یہ تو بہت ماہر جادوگر ہے۔ اور تمہیں تمہارے ملک سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۱۹ء تک ہندوستان میں یہی نقشہ رہا۔ ادھر سے نیازمندی اور انتہا زمیندی کے ساتھ عاجزانہ درخواستیں۔ ادھر سے آئینی مطالبات کا تقاضا۔ ترک موالات کی تحریک نے جب "قوم کی بیداری" کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا تو اب ادا کی تیغ بے نیام گلے پر چلنے کو تیار ہے

لٹ دی ڈاگ بارک!

یاد ہوگا کہ تحریک ترک موالات کی ابتدا میں جبکہ حامیان ترک موالات پاگل اور مجنون بتائے جاتے تھے۔ ایک موقر اینگلو انڈین اخبار نے یہ جملہ بھی لکھا تھا کہ "کتوں کو بھونکنے دو" اس جملہ کا زیادہ تر اشارہ علی برادران کی طرف تھا۔ فرعون کی کونسل نے بھی حضرت موسیٰ کی تحریک آزادی پہلے دنوں میں کچھ زیادہ تعرض کر کے بعد واپس کیا۔ ان الملا یاتمرون بک لیقتلوک اے موسیٰ! کونسل کے لوگ تمہارے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آخری فیصلہ یہ قرار پاتا ہے ارجہ واخاہ۔ موسیٰ کو اور انکے بھائی کو کچھ دنوں کے لیے ڈھیل دیدو۔ علی برادران کا سابق معرکۃ الآرا بیان اور لارڈ ریڈنگ کا مقدمہ واپس لینا اسی قبیل سے ہے۔

بیسویں صدی کے ساحر!

ایک طرف تو مدعیان حریت کی تعزیرے وکشمکش اور دوسری طرف قانونی قوت پر تحریک کو کچل ڈالنے کی کوشش۔ اوپر کی پوری آیت یہ ہے۔ وابعث فی المدائن حاشرین یاتوک بکل سحار علیم۔ تمام ممالک محروسہ میں ہرکارے اور برقی والے دوڑا دیے جائیں کہ وہ تمام پرفن جادوگروں کو جمع کرلائیں۔ امن سبھاؤں کے قائم کرنے کی تجویز گورنمنٹ آف انڈیا کے حسب ہدایت عمل میں آئی۔ کیا یہ اسی تجویز کی نقل نہیں ہے جو موسیٰ کے معجزہ کو رد کرنے کے لیے فرعون کی طرف سے کی گئی تھی۔ اور کیا ہمارے وہ بھائی جو امن سبھا کی ممبری قبول کر چکے ہیں، اپنے متعلق کچھ غور کر سکتے ہیں کہ وہ بیسویں صدی کے ساحر ہیں یا ....

دربار رسی کی طرح

تمام ممالک محروسہ سے قومی آزادی کو پامال کرنے کے لیے اسی قسم کے طرح طرح کے چلتے پرزے دوڑنے والے جمع کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس قوم فروشی کا صلہ اور حق کی پامالی کا انعام کیا ہے؟ صرف جاہ کی ایک چاٹ، کرسی کا ایک ٹکڑا اور دربار کی ایک

کرسی۔ فرعون کے حسب ہدایت جب تمام مصر کے ساحر اکٹھا کیے گئے اور انھوں نے کہا اگر ہم موسیٰ پر غالب آئے تو ہمارا اجر کیا ہوگا؟ قال نعم وانکم اذا لمن المقربین۔ فرعون نے کہا ہاں تم دربار حکومت کے مقرب قرار دیے جاؤ گے۔

اقرار حق اور حکومت کا عتاب

ہدایت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ اسی طرح قوم فروشی کے عالم میں بھی کبھی حق کی تجلی کوند جاتی ہے اور کتنے ہی دل منور ہو جاتے ہیں۔ لیکن حکومت اپنے جبروت و جلال سے محکوم قوم کو کچھ اس درجہ بے بس بنا دیتی ہے کہ جذبات اور اعتقادات تک کو اپنے حکم کا تابع بنانا چاہتی ہے اور شاہی اذن کے بغیر حق کی قبولیت کو ناجائز اور مستوجب سزا قرار دیتی ہے۔ قال آمنتم له قبل ان آذن لکم۔ فرعون نے ساحروں سے کہا کہ میرے حکم کے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ آگے ہے لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم اجمعین۔ میں تمہارے ہاتھ پیر کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی دے دوں گا۔

کراچی کا مقدمہ اس جبر اور جبروت کی بہترین تصویر ہے۔ جیسا کہ ایک گزشتہ خبر میں ان بھائیوں کے بعض خاص کارکنوں کے استعفے کی خبر شائع ہو چکی ہے۔ کیا ان پر حکومت کا عتاب نازل ہوگا؟ یہ ایک سوال ہے، جس کا جواب صرف سابق جنرل سکرٹری کانگریس کا "خلوص" دے سکتا ہے۔

ان بھائیوں کا انداز کار

لیکن کار انگیزی جب پورے ساز و سامان سے حق کے مقابلے میں آتی ہیں تو ان کا کیا طریقہ کار ہوتا ہے وہ صرف فریب، دھوکوں اور حیلوں سے اپنا اقتدار برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ سحروا اعین الناس واسترہبوہم لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر دیا اور ڈرا دیا۔

اگلی تباہیوں کی یاد دہانی

محکوم قوم میں رہ کر آزادی کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکتی ہیں۔ حکومت اپنی سخت گیریوں سے اس آگ کو فرو کرتی ہے اور جب کبھی کوئی عام تحریک آزادی کی پیدا ہوتی ہے تو کام کرنے والوں کے سامنے ہمیشہ اگلے قصے دہرائے جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ جب فرعون کے پاس گئے تو اس نے کہا فما بال القرون الاولیٰ تم آزادی کا سوال کرتے ہو اور تم سے پہلی نسلوں کا اسی سوال پر کیا حال ہوا۔ آج بھی گزشتہ ۱۸۵۷ء کے ہیبت ناک افسانے سنائے جاتے ہیں اور اسی انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا علمہا عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسیٰ۔ اگر انھوں نے مصیبتیں اٹھائیں اور وہ اس کی راہ میں ستائے گئے تو وہ سب خدا کے پاس ایک نہ بھولنے والی کتاب میں درج ہیں۔

لیڈروں کو بدنام کرنے کی کوشش!

حکومت ہر طرف سے تھک کر اخلاقی ہتھکنڈوں کو بھی خیر باد کہہ دیتی ہے اور اعیان حق کو ان لفظوں میں بدنام کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ یہ سب اپنی ناموری اور عزت کو بڑھانے کی فکر میں ہیں۔ ہندوستان کی پبلک مسٹر ولیم و نسٹنٹ کے ان کلمات کو ہرگز نہ بھولی ہوگی جو انھوں نے مہاتما گاندھی کے "تقشف" کے بارے میں استعمال کیے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ اور ہارون کو بعینہٖ یہی الزام دیا تھا وتکون لکما الکبریاء فی الارض۔ تم دونوں کی صرف یہ کوشش ہے کہ ملک میں تمہارا اقتدار تسلیم کر لیا جائے۔

قوت کا بھروسہ

دارالعوام میں اور ویسے تم بار بار گورنمنٹ ہند کو ملامت کرتے ہیں کہ ہندوستان میں فوجی طاقت کا استعمال کیوں نہیں کیا جاتا۔ اور کیوں نہیں اس تحریک کو بزور طاقت دبا دیا جاتا۔ بنی اسرائیل کے پیغمبر نے بھی جب فرعون کے سامنے دعوت پیش کی تھی تو یہی وسوسہ اس کے دل میں بھی گزرا تھا۔ فتولیٰ برکنہ فرعون نے اپنی طاقت کے بھروسہ پر منہ پھیر لیا۔

مصائب کے وقت صلح کی جدوجہد

اس اثنا میں اگر کسی خاص موقع پر پبلک سے امداد کی ضرورت پڑتی ہے تو رہنمایان آزادی سے مصالحت کی کوشش کی جاتی ہے اور وعدوں کے جال میں پھنسانے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی جاتی ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل۔ اگر تم ہمارے اوپر آئے ہوئے عذاب کو دفع کر دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ فرعون نے درخواست کی۔ یا موسیٰ ادع لنا ربک بما عہد عندک۔ اے موسیٰ ہماری گلو خلاصی کے لیے اپنے خدا سے دعا کرو وہ تمہاری دعائیں سنے گا۔

احسانات جتلائے جاتے ہیں

حاکم قوم شخصی اور قومی طور پر اپنے ان احسانات کا تذکرہ کرتی ہے جو محکوم قوم پر اپنی اغراض کے لیے کیے جاتے ہیں اور احسانات کے اس بار گراں سے آزادی کی تحریک کو دبانا چاہتی ہے۔ حضرت موسیٰ سے کہا گیا الم نربک فینا ولیدا ولبثت فینا من عمرک سنین۔ کیا بچپن میں ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی اور کیا تم نے برسوں اپنی زندگی ہمارے اندر نہیں بسر کی؟ قرآن مجید میں صاف طور پر آیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی پرورش فرعون نے صرف ذاتی اغراض پر کی تھی۔ عسیٰ ان ینفعنا او نتخذہ ولدا۔ شاید یہ بچہ ہمارے لیے مفید ہو اور ہم اسے اپنا لڑکا بنا لیں۔ تعلیم، سڑک، ریل، ڈاکخانہ، احسانات کی لمبی فہرست جو غریب ہندوستان کے سر لادی جا رہی ہے ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی ہے جو صرف ہندوستان کے نفع کے لیے ہو؟

ملک سے علیحدہ کرنے کی کوشش

مختلف طریقوں سے حکومت اس امر کی کوشش کرتی ہے کہ کام کرنے والی قوتیں تنگ ہو کر ملک سے باہر چلی جائیں۔ مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ کے واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن اس تنگی کا نتیجہ کیا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے فاراد ان یستفزہم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعا فرعون نے چاہا کہ اسرائیلیوں کو تنگ کر کے ملک سے نکال دے لیکن ہم نے اس کو اور اسکے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

قتل عام کا فرمان

مجبوروں کی تسلی خالی ہو جاتی ہے تو قوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ فرعون نے آخری حکم دیا۔ اقتلوا ابناء الذین آمنوا معہ۔ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے بچوں کو قتل کر دو۔ ہندوستان ابھی اس منزل تک نہیں پہنچا لیکن ہوا کا رخ کسی اور طرف بتلاتی ہے۔ ہمیں اس آخری کشمکش کے لیے بھی مستعد رہنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتب خانۂ اسلامیہ

سر سید مرحوم	مولانا حالی مرحوم	مولانا نذیر احمد مرحوم	مولانا شبلی مرحوم	مولانا شرر لکھنوی	مولانا اشرف علی تھانوی	مولوی احمد حسین	مولانا ابوالکلام آزاد	مولوی محمد علی
خطبات احمدیہ	مسدس حالی	حامل ترجمہ قرآن	سیرۃ النبی جلد اول	...	تفسیر ...	...	...	...
مکمل مجموعہ لکچرز	حیات سعدی	...	جلد دوم	...	...	...	...	...
جواب امہات المومنین	حیات جاوید	...	...	...	...	...	...	...